اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ج وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ط وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا (ال عمرن:97)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اول عالم:۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ (ال عمرن:97)

’’بے شک وہ پہلا گھر دنیا میں جو انسانوں کے لیے بنایا گیا وہ بکہ تھا۔‘‘

بیت اللہ شریف کا ایک نام بکہ ہے اور اس شہر کا نام مکہ ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ زمین بننے سے پہلے ہر جگہ پر پانی تھا، اس میں ایک جگہ سے اللہ تعالیٰ نے بلبلہ پیدا فرمایا اور وہ بلبلہ پھیلنا شروع ہوا، اور پھیلتے پھیلتے اس نے زمین کی صورت اختیار کر لی۔ جس جگہ وہ بلبلہ پیدا ہوا وہ جگہ ’’اوّلِ عالم‘‘ کہلاتی ہے۔ اس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر بنایا، جسے بیت اللہ کہا جاتا ہے۔

بیت اللہ شریف کی تعمیر:

بیت اللہ کو چھ مرتبہ اپنی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا۔

☆ سب سے پہلے تو حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کو فرشتوں کے ہاتھوں سے

بنوایا۔

☆ دوسری تعمیر حضرت آدمؑ نے کی۔

☆ تیسری تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے کی، جس کا تذکرہ قرآن پاک میں بھی ہے۔

☆ چوتھی تعمیر قریش مکہ نے کی، جس میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حجر اسود کو اپنی جگہ پر رکھا۔

☆ پانچویں تعمیر آپ ﷺ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کی۔ اور قریش مکہ نے جو حطیم کی جگہ کو چھوڑ دیا تھا، اس کو انہوں نے شامل فرمالیا۔

☆ ان کے بعد حجاج بن یوسف نے اپنے دور میں پھر اس کو انہی بنیادوں پر تعمیر کیا اور حطیم کو پھر باہر کر دیا۔

اس کے بعد وقت کے فقہا نے فتویٰ دے دیا کہ کوئی حاکم بیت اللہ کی اس تعمیر کو ان بنیادوں سے ہٹا نہیں سکتا، اس لیے کہ اگر ایسا ہی ہوتا رہا تو یہ حاکموں کے ہاتھوں کھلونا بن جائے گا۔ چنانچہ آج تک وہی تعمیر چلی آرہی ہے۔

بیت اللہ کی وجہ تسمیہ:

اس کو بیت اللہ (اللہ کا گھر) کہتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس گھر پر اللہ رب العزت کی ذاتی تجلّیات کا ورود ہوتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ نور کا ایک پرنالہ ہے جو عرش کے اوپر سے برس رہا ہے اور اس جگہ تک آرہا ہے۔ وہ پرنالہ عالمِ ملکوت کے جس مقام سے گزرتا ہے اس کا نام "بیت المعمور" ہے۔ اور جب وہی پرنالہ زمین پر آکر اس جگہ پر گرا تو اس کا نام "بیت اللہ" رکھ دیا گیا۔ ہم اس بیت اللہ کے گرد طواف کرتے ہیں اور فرشتے بیت المعمور کے گرد طواف کرتے ہیں۔ ہم جس چیز کو سجدہ کرتے ہیں وہ وہی تجلّیات ہیں، یہ اینٹوں کا تو ایک مکان ہے تاکہ جہت متعیّن ہو جائے۔ اور ہم اس جہت کی طرف رخ کر

رہے ہوتے ہیں۔

مُتَوَجِّهًا اِلٰی جِهَةِ الْكَعْبَةِ الشَّرِيْفَةِ

ہم ان پتھروں کو سجدہ نہیں کر رہے ہوتے۔ بلکہ ان پر جو تجلّیات وارد ہو رہی ہیں، ان کی طرف سجدہ کر رہے ہوتے ہیں۔تجلّیات کے لفظ کی جگہ ''عکس'' کا لفظ سمجھ لیں کہ ایک آسان سا لفظ ہے۔ایک آدمی پانی کے سامنے کھڑا ہو تو پانی میں اس کا عکس پڑتا ہے۔

تو یوں سمجھیے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کا ایک عکس محسوس ہوتا ہے۔اب اگر اصل خوب صورت ہو تو اس کا عکس بھی خوب صورت ہوتا ہے۔اللہ رب العزت کے جمال کا کیا کہنا۔ وہاں پر چونکہ اس کی ذاتی تجلّیات پڑ رہی ہوتی ہیں اس لیے ہر بندے کو بیت اللہ شریف کی طرف دیکھنا اچھا لگتا ہے۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے:

علمائے کرام نے لکھا ہے کہ چند چیزوں سے انسان کا دل کبھی نہیں بھرتا۔

☆ آسمان کی طرف دیکھنا۔وہی نیلا رنگ، وہی ستارے، وہی بادل ساری عمر آپ دیکھیں گے مگر دل نہیں بھرے گا۔روز دیکھنے کا نیا لطف اور مزہ ہو گا۔

☆ پانی کا پینا۔اگر سو سال بھی عمر ہو جائے پھر بھی ہر دن پیاس لگے گی اور ہر دن پانی اچھا لگے گا۔کوئی بندہ آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ میں تو زندگی میں پانی پی پی کر اکتا گیا ہوں۔

☆ بیت اللہ شریف کی طرف دیکھنا۔جتنی بار دیکھیں گے ہر دفعہ دیکھنے کا مزا جدا ہو گا۔اس کی طرف دیکھنے سے انسان کا دل کبھی نہیں بھرتا۔ بلکہ انسان کہتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے اور دوسری بار دیکھنے کی تمنا ہے

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے　　دیدۂ کور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے!

جن لوگوں کو اللہ رب العزت نے دل کی آنکھ دی ہوتی ہے، بصیرت دی ہوتی ہے، وہ جب بیت اللہ شریف کی طرف دیکھتے ہیں تو ان کو واقعی تجلّیات نظر آتی ہیں۔ان کو پھر اس کے حسن و جمال کا ادراک ہو جاتا ہے۔

اصلِ عالم اور وسطِ عالم:

بیت اللہ شریف اولِ عالم بھی ہے اور بیت اللہ شریف اصلِ عالم بھی ہے۔اس لیے کہ زمین مٹی ہے اور مٹی ہی ہماری اصل ہے۔اسی طرح بیت اللہ شریف وسطِ عالم بھی ہے۔حضرت قاری محمد طیبؒ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اگر پوری زمین کے نقشے کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو بیت اللہ شریف کی جگہ آپ کو پوری دنیا کا وسط نظر آئے گی۔اور ویسے بھی جغرافیائی اعتبار سے دیکھیں تو جزیرۂ عرب آپ کو تین طرف سے پانی میں گھرا ہوا نظر آئے گا اور اوپر ایک طرف سے زمین سے ملا ہوا نظر آئے گا۔جیسے انسان کے جسم میں دل ہوتا ہے کہ اوپر سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔اور نیچے سے لٹک رہا ہوتا ہے۔آپ کبھی اس جزیرے پر غور کریں، آپ کو یوں لگے گا جیسے یہ دنیا کا جغرافیائی قلب ہے۔

بیت اللہ شریف میں دائمی کشش:

چھوٹا ہو یا بڑا، ہر بندے کے دل میں بیت اللہ شریف کو دیکھنے کا شوق ہوتا ہے۔آپ امیر غریب، پڑھے لکھے یا ان پڑھ، جس مسلمان سے بھی پوچھیں گے، اس کے دل میں بیت اللہ کو دیکھنے کا ایک شوق ہوگا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے گھر کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ایسے بھی لوگ ہیں جو گھر کی چیزیں بیچ کر اس گھر کو دیکھنے کے لیے سفر کرتے ہیں۔معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف میں بنیادی طور پر ایک کشش رکھ دی ہے۔

بادل آئے حدودِ حرم لائے:

جب حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ شریف کو بنا لیا تو اللہ رب العزت نے ایک بادل کو بھیجا جس نے اس کے اوپر سایہ کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اے میرے پیارے ابراہیم! جس جگہ تک یہ سایہ ہے اس جگہ کو میں نے حرم کی زمین بنا دیا۔ یعنی اس زمین کو بھی محترم بنا دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس جگہ کی نشاندہی فرما دی اور آج ان کو حدودِ حرم کہا جاتا ہے۔

یہ ایسی جگہ ہے کہ جتنے انبیائے کرام بھی دنیا میں تشریف لائے انہوں نے آ کر اس جگہ پر طواف کیا۔ اس لیے ہر بندے کا دل اس جگہ کی طرف کھنچتا ہے۔

حج کا اعلان:

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو فرمایا:

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ (الحج: 27) اے میرے ابراہیم! آپ لوگوں میں اس کا حج کرنے کا اعلان کیجیے۔

عرض کیا: اے اللہ! میری آواز تو سب انسانوں تک نہیں پہنچے گی۔ فرمایا: اے میرے ابراہیم! آواز لگانا آپ کا کام ہے اور اس کو ان تک پہنچانا میرا کام ہے۔ چنانچہ ابراہیمؑ نے آواز لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آواز کو عالمِ ارواح میں روحوں کو بھی سنوا دیا۔ جس نے اس آواز کے جواب میں جتنی بار لبیک کہا، اتنی ہی مرتبہ اس بندے کو اس گھر کا سفر کرنے کی توفیق نصیب ہوگی۔

دعائے ابراہیمی:

جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ گھر تعمیر کر لیا تو انہوں نے دعا مانگی:

’’اے اللہ! میں نے گھر تو بنا دیا، اب اس گھر کو آباد کرنے کے لیے بھی کسی ہستی کو بھیج دے۔‘‘

چنانچہ

دعا کرنے والے......ابراہیم خلیل اللہ

آمین کہنے والے......اسماعیل ذبیح اللہ

جس مقام پر دعا مانگی......اس کا نام بیت اللہ

جس ذات سے مانگ رہے ہیں......اس کا نام اللہ

جو ہستی اس دعا کا مصداق بن کر آئی......اس کا نام محمد رسول اللہ ﷺ

تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس جگہ کو آ کر آباد فرمایا، سبحان اللہ!

مرکزِ ہدایت:

اس گھر کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کا سبب بنا دیا ہے۔ دیکھیے! تین چیزیں نہایت ہی اہم ہیں۔

☆ ایک رسول اللہ ﷺ

☆ دوسرا کلام اللہ، اور

☆ تیسرا بیت اللہ

اب دیکھیے کہ ان تینوں چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے کیا کیا نام دیے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا: رحمۃ للعلمین

☆ کلام اللہ کے بارے میں فرمایا: ذکری للعلمین، اور

☆ بیت اللہ کے بارے میں فرمایا: ہدی للعلمین

تو بیت اللہ شریف پورے جہانوں کے لیے ہدایت کا مرکز ہے۔ یہاں سے ہدایت ملتی ہے۔ بلکہ یہ ہمارے روحانی قیام کا سبب ہے۔فرمایا:

جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ (المآئدہ: 97)

اس لیے قیامت کی نشانیوں میں سے آخری نشانی یہی ہوگی کہ بیت اللہ شریف کو گرا دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ دنیا کی اس بساط کو لپیٹ کر رکھ دیں گے۔

شکر ہے تیرا خدایا:

حاجی جو اپنے گھر سے چلتا ہے وہ گویا اللہ رب العزت کے عشق و محبّت کا سفر کر کے آ رہا ہوتا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی کتنی رحمت ہے کہ ہم جیسے عاجزوں اور بے کسوں کو اللہ تعالیٰ نے اس جگہ پر حاضری کی توفیق عطا فرما دی۔ اگر لیاقت پر معاملہ ہوتا تو پھر ہم تو گھروں میں ہی بیٹھے رہ جاتے۔ یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ اس کے ہاں قابلیت نہیں، قبولیت کا معاملہ ہے۔ اگر قابلیت کو دیکھتے تو بہت سے لوگ ہم سے زیادہ قابل ہیں۔حسب میں، اچھے نسب میں اچھے، علم میں اچھے، پتہ نہیں کن کن اعمال اور صفات میں اچھے ہیں لیکن اللہ رب العزت نے ہم جیسے نالائقوں کے لیے بھی آنے کا سبب بنا دیا

شکر ہے تیرا خدایا! میں تو اس قابل نہ تھا — تو نے اپنے گھر بلایا، میں تو اس قابل نہ تھا
مدتوں کی پیاس کو سیراب تو نے کر دیا — جام زم زم کا پلایا ، میں تو اس قابل نہ تھا
ڈال دی ٹھنڈک مرے سینے میں تو نے ساقیا — اپنے سینے سے لگایا، میں تو اس قابل نہ تھا
بارگاہ سید الکونین میں جا کر نفیس — سوچتا ہوں کیسے آیا! میں تو اس قابل نہ تھا
تیری رحمت، تیری شفقت سے ہوا مجھ کو نصیب — گنبدِ خضریٰ کا سایہ ، میں تو اس قابل نہ تھا

ہم تو واقعی اس قابل نہ تھے، لیکن اللہ رب العزت کی رحمت ہوئی اور اس کا کرم ہوا کہ اس پروردگار عالم نے ہم پر اپنا احسان فرمایا اور ہمیں یہ سفر کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔

عشق ومحبّت کی وارفتگی:

یہ حج کا سفر اللہ رب العزت کی رحمتوں کو لوٹنے کا سفر ہے۔ اس کی رحمتوں کو اپنے دامن میں بھرنے اور سمیٹنے کا سفر ہے۔ اللہ رب العزت نے اس سفر کے لیے کہہ دیا کہ چھوڑو اپنی زیب و زینت کو اور دو چادروں کو لپیٹ کر میرے گھر کی طرف آؤ، جیسے دیوانے لوگ اپنے محبوب کو ملنے کے لیے چلتے ہیں۔ اور فرمایا کہ تم بھی اسی طرح نعرے لگاؤ جیسے دیوانے لگاتے ہیں۔ کیا نعرے لگائیں؟ فرمایا:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ

اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيْكَ لَكَ

اونچائی پہ چڑھو تو بھی تلبیہ،

نیچے اترو تو بھی تلبیہ،

کسی سے ملو تو بھی اس سے پہلے تلبیہ،

سبحان اللہ! دیوانوں والی حالت ہے، بکھرے بال ہیں، اللہ کی محبّت میں نعرے لگاتے جا رہے ہوتے ہیں...... کیا مرد اور کیا عورت...... پھر اللہ کے گھر میں پہنچتے ہیں۔ اکٹھّے طواف کر رہے ہوتے ہیں۔ مرد اپنی مردانگی بھول جاتا ہے۔ اور عورت اپنی نسوانیت بھول جاتی ہے۔ سب اللہ کے حضور رو رہے ہوتے ہیں۔ یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوتی ہے۔ مردوں کو بھی روتے دیکھا، عورتوں کو بھی روتے دیکھا۔ سب رو رہے ہوتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اللہ رب العزت کی رحمتیں سمیٹ رہے

ہوتے ہیں۔لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اس سفر سے فائدہ اٹھائیں اور اللہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔

یومِ عرفہ:

آج کا یہ دن، جس کو وقوف عرفات کا دن کہا گیا، یہ بہت خاص دن ہے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے پوچھا گیا:

مَا الْحَجّ ''حج کیا ہے؟''

تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَجُّ الْعَرَفَۃُ

۹ ذی الحج کے دن عرفات کے مقام پر جو یہ ظہر سے لے کر مغرب تک وقوف کیا جاتا ہے اسے ''وقوفِ عرفہ'' کہتے ہیں۔یہی گویا حج ہے۔حج کا یہ رکن بہت بڑا رکن ہے۔اصل یہی وقت ہے۔جس نے اس کو پالیا وہ کامیاب ہو گیا۔

شیطان کی ذلت ورسوائی کا دن:

یوں سمجھیے کہ ہم اس وقت اپنی زندگی کا سب سے قیمتی وقت گزار رہے ہیں۔ہمیں اپنی زندگی میں اس سے قیمتی وقت نہیں مل سکتا۔وقوفِ عرفہ کا وقت قیمتی ترین وقت ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

''میں نے شیطان کو جتنا ذلیل وخوار ہوتے ہوئے دیکھا یا تو بدر کے دن دیکھا تھا یا وقوفِ عرفات کے دن دیکھا،، ورنہ اس کے سوا کبھی ایسا نہیں دیکھا۔''

تو آج کے دن شیطان ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میری تو سالوں کی محنت ضائع کر دی گئی۔

پروردگار کی رحمت کا بحرِ بیکراں:

اس دن اللہ رب العزت کی رحمت جوبن پر ہوتی ہے۔ اپنے عروج پر ہوتی ہے، اللہ رب العزت اپنے بندوں پر بڑے مہربان ہوتے ہیں۔ اس کے بندے دور دراز سے سفر کر کے آئے ہوتے ہیں۔ کیا مرد اور عورتیں، سب اللہ رب العزت سے دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں دنیا دار لوگ بھی مہمان کی قدر کرتے ہیں، اور اللہ رب العزت تو سب سے زیادہ قدر کرنے والے ہیں۔ وہ بھی آئے ہوتے مہمانوں کی قدر فرماتے ہیں اور مہمان جو مانگتے ہیں اللہ رب العزت ان کو ان کی مانگی ہوئی ہر نعمت عطا فرما دیتے ہیں۔ مانگنے والوں کے مانگنے میں کمی ہوتی ہے لیکن پروردگار عالم کے دینے میں کمی نہیں نہیں ہوتی۔ اس کے خزانے اتنے وسیع ہیں کہ اس کو تو دے کر ہی خوشی ہوتی ہے۔

دیکھیے! اللہ رب العزت کے ننانوے نام ہیں۔ ہر نام اس کی کسی نہ کسی صفت کے بارے میں ہے۔ لیکن رحمت کی صفت کے بارے میں دو نام ہیں۔ ایک رحمٰن اور ایک رحیم۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہر صفت کے بارے میں ایک ایک نام، لیکن رحمت کی صفت اتنی ہے کہ اللہ رب العزت نے اس کے بارے میں دو نام بنائے۔ وہ اتنا رحیم اور اتنا کریم پروردگار ہے۔ اللہ تعالیٰ خوش ارشاد فرماتے ہیں:

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (الحجر:49)

”میرے بندوں کو بتا دو، بے شک میں بڑا ہی غفور ہوں، میں بڑا ہی رحیم ہوں۔“

اس کی مثال یوں سمجھیے: جیسے کوئی سخی کسی آدمی سے کہے، بھئی! اعلان کر دو کہ میں بڑا سخی ہوں، تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کہ بھئی! لینے والو! آ کے لے لو، میں تمہیں خالی نہیں لوٹاؤں گا۔ جب پروردگارِ عالم خود

فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو بتا دو کہ بے شک میں بڑا ہی غفور ہوں اور بڑا ہی رحیم ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ میری رحمت سے حصہ پائیں اور مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔

یہاں آنے کا بھی بنیادی مقصد پچھلے گناہوں کی معافی مانگنا اور آئندہ تقویٰ وطہارت کی زندگی گزارنے کا دل میں عہد اور ارادہ کرنا ہے۔جس نے اس بات کو سمجھ لیا اور آج اللہ رب العزت سے یہ بات منوالی تو گویا اس نے اپنی زندگی کا بہترین فیصلہ کروالیا۔ چنانچہ آج کا یہ وقت اللہ رب العزت سے مانگنے کا وقت ہے۔

اعمالِ حج پر گناہوں کی معافی کا وعدہ:

حج کے اعمال میں ہر حاجی کو بہت بڑا اجر ملتا ہے۔ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے،’’جب کوئی حاجی شیطان کو کنکریاں مارتا ہے۔تو ہر ہر کنکری مارنے کے بدلے میں اس کا ایک اتنا بڑا گناہ معاف کردیا جاتا ہے کہ اگر وہ گناہ معاف نہ ہوتا تو اس کے لیے جہنّم میں جانے کا سبب بنتا۔‘‘

اب سوچیے کہ حج کرنے سے کتنے بڑے بڑے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔اگر اتنے بڑے بڑے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں تو پھر اللہ رب العزت کی رحمت سے خوب فائدہ اٹھائیے اور آج کے اس وقت میں خوب اللہ رب العزت سے مانگیے۔اللہ رب العزت عطا کرکے بہت خوش ہوتے ہیں۔دنیا والوں سے ایک دفعہ مانگو تو وہ ناراض ہوجاتے ہیں۔لیکن اللہ رب العزت سے ایک دفعہ مانگو تو وہ دیتے ہیں،دو دفعہ مانگو،تین دفعہ مانگو،بار بار مانگو تو اور خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ جو بندہ بار بار اللہ سے مانگے، ہر چیز اللہ سے مانگے اور ہر وقت اللہ سے مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنا ولی بنالیتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ یہ تو کسی اور سے مانگتا ہی نہیں، یہ تو مجھ ہی سے مانگتا ہے، یہی میرا دوست ہے۔سبحان اللہ! جب وہ دے کر اتنا خوش

ہوتے ہیں تو ہم اللہ رب العزت سے خوب مانگیں تا کہ پروردگارِ عالم ہم پر مہربانی فرمادیں۔

فقیروں کے بھیس کا لحاظ:

دیکھیے! دنیادار لوگوں کا بھی یہ اصول ہوتا ہے کہ وہ فقیروں کے بھیس کا لحاظ کر جاتے ہیں۔کئی مرتبہ دنیادار لوگوں کو دیکھا کہ ان کے سامنے مانگنے والا فقیر آتا ہے،لیکن اس نے بھیس فقیروں کا بنایا ہوتا ہے،اور ہوتا ایسا ہی ہے،تو بھی وہ لحاظ کرتے ہوئے اس کو دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی بات نہیں، ہاتھ جو پھیلا رہا تھا۔ارے! دنیادار بندے جب بھیس کا لحاظ کرتے ہوئے فقیر کو دے دیتے ہیں،تو پھر اللہ رب العزت بھی تو بھیس کا لحاظ فرمالیتے ہیں۔اگر ہم دو چادروں میں لپٹے فقیروں کا بھیس بنائے اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلائیں گے،اپنے رب سے رب کو مانگیں گے اور اپنے رب سے اس کی محبّت کا سوال کریں گے اور کہیں گے، یا اللہ! تو نے ہمیں یہاں پہنچادیا،اب بھیس بنائے بیٹھے ہیں، پروردگارِ عالم! مہربانی فرمادینا،ہم فقیروں پر بھی احسان فرمادینا،تو اللہ رب العزت یقیناً ہم پر مہربانی فرمائیں گے اور ہماری اس جگہ کی حاضری کو قبول فرمائیں گے۔

وہ رب کریم تو مہربانی فرماتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میرے بندے مجھ سے اور زیادہ مانگیں۔اس لیے اس سے خوب مانگیے۔اس وقت کو خوب دعاؤں اور مناجات میں استعمال کیجیے۔

آنسوؤں کی قدر:

ایک اصول یاد رکھیے کہ ہر ملک میں امپورٹڈ (درآمد شدہ) چیز کی بڑی قدر ہوتی ہے۔امپورٹڈ چیز اسے کہتے ہیں جو اس ملک میں نہ ملتی ہو، باہر سے منگوائی جائے۔اس کی بڑی قدر ہوتی ہے۔وہ مہنگے داموں بھی بکتی ہے اور لوگ اس کو بڑی محبّت سے خریدتے ہیں۔کیوں؟ اس لیے کہ کہتے ہیں کہ یہ امپورٹڈ چیز ہے۔اگر دنیا میں یہ اصول ہے تو بالکل اسی طرح انسان کی آنکھ سے نکلنے والے ندامت کے آنسو بھی اللہ

رب العزت کے ہاں بھی امپورٹڈ چیز ہوتے ہیں۔ کیونکہ ملائکہ رونا نہیں جانتے۔ وہ نماز پڑھ لیتے ہیں۔ کتنے ملائکہ ایسے ہیں جو مسلسل رکوع میں ہیں، ایسے بھی ہیں جو سجدے میں ہیں، ایسے بھی ہیں جو قیام میں ہیں، لیکن کوئی ایسا فرشتہ نہیں جو ندامت سے رونا جانتا ہو، یہ وہاں کی چیز نہیں۔ یہ دنیا سے وہاں پہنچتے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ یہ ندامت کے آنسو اس مالک الملک کے لیے اس دیس سے گئی ہوئی چیز ہے۔ اس لیے فرشتے اس کو امپورٹڈ چیز سمجھتے ہیں اور وہ بھی اس کو بڑے شوق سے لے کر جاتے ہیں۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے　　قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

اللہ رب العزت کے حضور ان آنسوؤں کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ فرمایا گیا: مومن کی آنکھ سے نکلا ہوا ایک آنسو جو مکھی کے سر کے برابر ہوگا قیامت کے دن وہ بھی جہنّم کی آگ سے بچانے کا سبب بن جائے گا۔

پلکوں کا بال...... باعث خوشنودیٔ رب ذوالجلال:

ایک روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب جہنمیوں کو نکال لیا جائے گا۔ شفاعت کرنے والے شفاعت کرلیں گے۔ حتیٰ کہ اور کوئی شفاعت کرنے والا نہیں رہے گا۔ اس وقت ایک بندہ بڑا پریشان ہوگا کہ میرا تو شفاعت کرنے والا بھی کوئی نہیں، میں کیسے نکلوں گا۔ اس وقت اس کی پلکوں کا ایک بال ہوگا، وہ بال اللہ رب العزت سے ہم کلامی کرے گا اور کہے گا: اے پروردگار! پوری زندگی میں یہ بندہ ایک مرتبہ تیری محبّت میں اور گناہوں سے نادم ہوکر رویا تھا اور اس کی آنکھ سے اتنا آنسو نکلا تھا کہ میں تر ہوگیا تھا، میں بال گواہی دیتا ہوں۔ پروردگارِ عالم فرشتے کو حکم دیں گے کہ ہم نے اس بال کی گواہی قبول کی، اعلان کردو کہ ہم نے اس کو جہنّم سے نکال کر جنت عطا کردی۔

جب پروردگارِ عالم کے ہاں یہ عالم ہو کہ ایک بال کی گواہی پر بندے کی مغفرت کردیں گے تو آج کا دن

تو مانگنے کا دن ہے، رو رو کے مانگیے، اس لیے کہ ہمارے پلے تو کچھ نہیں۔

ہم تہی دامن ہیں مگر......بجز ندامت کے پاس کیا ہے؟

اللہ والے تو یہاں

......اپنے دامن میں نیکیاں بھر کے لائے

......شب بیداریاں لے کر آئے

......دن کے روزے لے کر آئے

......تلاوتِ قرآن لے کے آئے

......تقویٰ وطہارت کی زندگی لے کے آئے

مگر ہم دیکھیں کہ ہمارے پاس کیا ہے؟

......ہم تو دامن میں گناہ بھر کے لائے

......دلوں میں ظلمت ہے

......دلوں میں سختی ہے

......دلوں میں غفلت ہے

ہم ایسا دل لے کے آئے کہ جو اللہ کے حضور پیش کرنے کے قابل نہیں۔ اس لیے ندامت کے سوا اور تو کچھ ہے نہیں۔ لہٰذا ہم اللہ رب العزت کے حضور اپنے گناہوں سے نادم ہو کر اس سے فقط یہ سوال کریں:
''پروردگار عالم! میں بڑی دور سے آیا ہوں، اور بڑی دیر سے آیا ہوں، تیری رحمت کا سہارا لے کر آیا ہوں، پروردگار عالم! مہربانی فرما دینا اور میرے اس دل کو دھو دینا اور میرے دامن کو نیکیوں سے بھر دینا''
اللہ رب العزت کے ہاں ہماری یہ مانگی ہوئی دعائیں یقیناً قبول ہوں گی۔

ہم اپنے دلوں میں یہ نیت کرلیں کہ وَفَدْتُّ عَلَى الْكَرِيْمِ بِغَيْرِ زَادٍ

''اور میں ایک کریم ذات کے پاس آیا ہوں بغیر کسی ساز وسامان کے۔''

مِنَ الْاَعْمَالِ بَلْ قَلْبِ السَّلِيْمِ

''نہ میرے پاس نیک اعمال ہیں نہ اچھا دل ہے۔''

فَاِنَّ الزَّادَ اَقْبَحُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

''ساز وسامان لے کر جانا اس وقت سب سے بُری چیز سمجھی جاتی ہے۔''

اِذَا كَانَ الْوُفُوْدُ عَلَى الْكَرِيْمِ

''جب کسی کریم ذات کے پاس حاضری دینی ہو۔''

جیسے کوئی دعوت کے لیے بلائے اور بندہ گھر سے کھانا لے کر جائے تو وہ میزبان اس بات کو کتنا بُرا سمجھتا ہے کہ جی اپنے گھر سے کیوں لے کر آئے؟ تو جب ہمیں بھی ایک کریم ذات نے اپنے گھر مہمان بنا کر بلایا ہے۔ اور ہمارے پاس دینے کے لیے کچھ بھی نہیں، پیش کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں، تو ہم آئے بھی تو کریم ہی کے در پر ہیں، اس لیے ہم دل میں یوں سوچیں:

اِلٰهِيْ كَيْفَ اَدْعُوْكَ وَ اَنَا اٰثِمٌ

''اللہ! میں کیسے دعائیں مانگوں، حالانکہ میں گناہ گار ہوں۔''

وَ كَيْفَ لَا اَدْعُوْكَ وَ اَنْتَ كَرِيْمٌ

''اللہ! میں کیسے دعا نہ مانگوں، باوجودیکہ تو اتنا کریم ہے۔''

ارے! کریم سے لینا بڑا ہی آسان ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کریم کہتے ہی اس کو ہیں جو دوسرے کو دیکھ کر اس

کے مانگنے سے پہلے ہی اس کو دے دیا کرتا ہو۔ کتابوں میں علمانے کریم کا یہ معنی لکھا ہے کہ کریم اس شخص کو کہتے ہیں جو دوسرے کے سوال کرنے سے پہلے اس کی کیفیت کو دیکھ کر اس کو عطا کر دینے والا ہو۔

اپنی پستی کا اقرار کریں:

جب ہم یہاں آ کر بیٹھ گئے ہیں اور اللہ کے حضور اپنا دامن پھیلائیں گے، پروردگار تو دلوں کے بھید جاننے والے ہیں، ان کو معلوم ہے کہ یہ کس لیے یہاں بیٹھے ہیں، ان کے دلوں کے ارادے کیا ہیں، پروردگار کو سب کچھ معلوم ہے۔ لہٰذا دلوں کے اندر نیک تمنائیں ہوں۔ پھر دیکھنا کہ پروردگار ہماری بخشش کے کیسے فیصلے فرمائیں گے۔ اور ہمارے لیے آسانیاں ہو جائیں گی۔

پروردگارِ عالم بڑے مہربان ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ میرے بندے میرے سامنے عاجزی کریں۔ پاک ہے وہ پروردگار جس نے اپنے تک پہنچنے کے لیے عاجزی کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں بنایا۔ وہ ذات ہے جس کے سامنے بڑے بڑے فراعنہ اور جبابرہ کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔ وہاں آ کے ہر ایک کو جھکنا ہی ہے۔ آج ہم اپنی گردنوں کو جھکا دیں، اللہ کے سامنے دامن پھیلا دیں اور اپنی پستی کا اقرار کر لیں اور کہہ دیں کہ اے اللہ!

مجھے اپنی پستی کی شرم ہے تیری رفعتوں کا خیال ہے
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں اسے پھر بھی شوقِ وصال ہے

اے اللہ! تو ہم پر مہربانی فرما دینا، ہمارے پاس اعمال کا کوئی ذخیرہ اور سرمایہ تو نہیں، مگر اے اللہ! ہم یہاں حاضر ہو گئے ہیں، ہم آپ کے حضور اپنے دامن پھیلائے بیٹھے ہیں، اب مہربانی فرما دینا، آئندہ ہماری زندگی کو بدل دینا اور ہمیں آئندہ نیکوکاری میں وقت گزارنے کی توفیق عطا فرما دینا۔

پروردگار کو منانا سب سے آسان ہے:

کہتے ہیں کہ دنیا میں ماں کو منانا سب سے آسان کام ہوتا ہے، کتابوں میں بھی یہ بات لکھی ہوتی ہے کہ ساری دنیا میں انسان اگر اپنی ماں کو منانا چاہے تو عمومی طور پر ماں کو منانا سب سے آسان کام سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ماں ناراض بھی ہوتی ہے تو دل سے ناراض نہیں ہوا کرتی۔ ہم نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ ماں ناراض ہے، بولتی نہیں، مگر اپنی بیٹی سے کہتی ہے کہ تیرے بھائی نے کھانا تو کھالیا ہے یا نہیں؟ وہ ماں جو ناراض پھرتی ہے، بولتی نہیں، وہ ماما کی وجہ سے اتنا مجبور ہے کہ بیٹی سے پوچھتی پھر رہی ہے کہ میرے بیٹے نے کھانا تو کھالیا تھا یا نہیں کھایا؟، بیٹا سو لیا تھا یا نہیں سویا؟ ایک طرف اپنے غصے کی وجہ سے ناراض ہے اور دوسری طرف اپنی مامتا کی ماری پوچھتی ہے، بیٹے کو کھانا مل گیا ہے یا نہیں، پھر بیٹی کے ذریعے کھانا پہنچاتی ہے۔ ماں کی تو ناراضگی بھی ایسی ہوتی ہے۔

اس لیے اگر ماں ناراض ہو اور بیٹا معافی مانگ لے تو فوراً معاف کر دیتی ہے۔ اگر بیٹا آ کر ماں کے سامنے ہاتھ جوڑ دے تو فوراً معاف کر دیتی ہیں۔ بلکہ اگر وہ آ کر اس کے سامنے اپنی آنکھوں سے دو آنسو بھی گرا دے کہ امی! مجھ سے غلطی ہوئی، تو بیٹے کے آنسو ماں سے کبھی نہیں دیکھے جاتے، وہ فوراً کہہ دیتی ہے: بیٹا! روئیں نہیں، چل میں نے تمہاری غلطی کو معاف کر دیا۔ تو اللہ رب العزت نے ماں کے دل میں اولاد کی اتنی محبّت رکھ دی ہے، رحم رکھ دیا ہے، اس لیے ماں کو منانا سب سے آسان کام ہے۔

لیکن میرے محترم سامعین دوستو! اور محترم علمائے کرام! اس دنیا میں ماں کو منانے سے بھی زیادہ آسان کام ایک اور ہے، اور وہ ہے اللہ رب العزت کو منانا۔ ماں کو منانے کے لیے پھر بھی زبان سے کچھ کہنا پڑے گا، ہاتھوں کو بھی حرکت دینی پڑے گی، ہاتھ پکڑنا پڑے گا، دامن پکڑنا پڑے گا، زبان سے کچھ اظہار کرنا پڑے گا، کچھ ایسی حرکت کرنا پڑے گی تاکہ ماں کو پتہ چل جائے کہ بیٹے نے معافی مانگ لی۔

ارے! اللہ تعالیٰ کو منانے کے لیے زبان کو بھی حرکت دینی ضروری نہیں، جہاں بیٹھا ہے، فقط دل میں ہی نیت کر لے، وہ اتنا کریم پروردگار ہے کہ فقط دل کے ارادے پر توبہ کو قبول کر لیتے ہیں اور مہربانی فرما دیتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا واقعہ کتنا مشہور ہے کہ ایک مرتبہ چغلخور کی وجہ سے بارش نہیں ہوتی تھی، سب وہیں بیٹھے ہیں، بارش شروع ہوگئی، پوچھا: اے پروردگار! بارش کیسے ہوئی؟ فرمایا: میرے پیارے پیغمبرؑ! جس کی وجہ سے رکی تھی اسی کی وجہ سے شروع ہوگئی۔ پوچھا: اے اللہ! وہ کیسے؟ فرمایا: اس نے دل میں ہی نیت کر لی تھی کہ اے اللہ! جب میں گناہ کرتا تھا تو نے اس وقت مجھے رسوا نہ کیا، اب میں نے توبہ کی نیت کر لی، اب مجھے رسوا نہ فرمائیے کہ مجھے اٹھ کر باہر جانا پڑے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کائنات میں سب سے آسان کام اپنے پروردگار کو منانا ہے۔ اس کے لیے دل میں نادم ہو جانا کافی ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

اَلنَّدْمُ تَوْبَۃٌ دل کی ندامت ہی تو توبہ ہوا کرتی ہے۔

ندامت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے سے خوش ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما دے اور ہماری آج کی حاضری کو قبول فرما لے۔

حافظ ابن قیمؒ نے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ایک گلی میں سے گزر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک دروازہ کھلا اور اس دروازے کے اندر ایک ماں اپنے چھوٹے بچے کو پیٹ رہی تھی۔ تھپّڑ مار رہی تھی۔ دھکے دے رہی تھی۔ بچہ زاروقطار رو رہا تھا۔ اور ماں نے دھکے دے کر اس کو باہر نکال دیا۔ باہر نکال کر کہنے لگی: تو میری بات نہیں مانتا، تو نے مجھے پریشان کر دیا، میں تجھ سے بہت ہی

زیادہ ناراض ہوں، جب تو نے میری بات نہیں مانی تو پھر اس گھر سے ہی نکل جا۔ اس نے بچے کو باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا۔

فرماتے ہیں کہ میں وہیں کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ بچہ تھوڑی دیر تو روتا رہا۔ اس کے بعد وہ ایک طرف گلی میں چلنے لگا۔ مگر تھوڑی دور تک آگے چل کر کچھ سوچتا رہا اور سوچنے کے بعد پھر وہ واپس آ گیا اور پھر اسی دروازے پر بیٹھ گیا۔ اس نے دروازے کی دہلیز پر سر رکھا اور وہیں سو گیا۔ فرماتے ہیں کہ میں کھڑا دیکھتا رہا کہ بالآخر کیا ہوتا ہے؟

تھوڑی دیر کے بعد اس کی ماں نے کسی کام کے لیے دروازہ کھولا۔ کیا دیکھتی ہے کہ دروازے کی دہلیز پر بچے نے سر رکھا ہوا ہے اور وہ سویا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر ماں کا سارا غصہ ختم ہو گیا اور ماں کے دل میں محبّت نے جوش مارا۔ اس نے بچے کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ کہنے لگی: میرے بیٹے! میں تجھ سے سخت ناراض تھی، میں نے تجھے گھر سے دھکا دے دیا، لیکن تو نے بھی سوچا کہ اس در کے سوا کوئی دوسرا در نہیں، تیری کوئی دوسری ماں نہیں جو تمہیں محبّت دے گی، جو تجھے پیار دے گی، تجھے پیار ملے گا تو اسی جگہ سے ملے گا۔ میرے بیٹے! تو یہیں سر رکھ کے سو گیا، جب تیرا کوئی اور گھر نہیں تو آجا، میرے در کھلے ہیں، میں تیری ماں ہوں اور یہ گھر تیرے لیے ہی ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب ایک چھوٹے بچے پر ماں مہربان ہو گئی اور وہ خوش ہو گئی کہ میرا در چھوڑ کر نہیں گیا تو بھی جب اپنے رب کے در پر آجاتا ہے اور دامن پھیلا دیتا ہے اور کہتا ہے: اے پروردگار! تیرے در کے سوا کوئی دوسرا در نہیں، انبیائے کرام کو بھی یہیں سے ملا، اولیائے کرام کو بھی یہیں سے ملا، اللہ! میں گناہ گار بھی تیرے در پر حاضر ہوں، مجھ پر مہربانی فرما دینا، اللہ! مجھے خالی نہ لوٹا دینا۔ یاد رکھنا! جو رب کریم کے در سے خالی اٹھ گیا، پھر اس کی بدبختی کے سوا کوئی اور دوسری چیز نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ہمیں دعا کرنی

ہے کہ رب کریم! ہماری اس حاضری کو قبول فرمالے۔ ہمیں اسی در سے عطا فرمادے۔

اِلٰھِی عَبْدُکَ الْعَاصِیْ اَتَاکَ مقر بِالذُّنُوبِ وَ قَدْ دُعَاکَ

فَاِنْ تَغْفِرْ فَاَنْتَ لِذَاکَ اَھْلٌ وَ اِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ یَرْحَمْ سِوَاکَ

اب معافی کے لیے دامن پھیلا دیں:

جب مانگنا بھی یہیں سے ہے اور ملنا بھی یہیں سے ہے تو پھر آیئے رب کریم کے سامنے اپنے دامن پھیلا دیں۔ ہم انسان ہیں، خطا کار ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ہمارے جد امجد حضرت آدمؑ کی توبہ کو بھی قبول فرمایا تھا۔ آج ہم بھی اپنے گناہوں کے پلندے لے کر آئے بیٹھے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمارے ان گناہوں کو معاف فرمادے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں عطا فرمادے۔

آہ جاتی ہے اثر کو کھینچ لانے کے لیے ۔۔۔ بادلو! ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے
اے دعا! فریاد کر عرشِ بریں کو تھام کے ۔۔۔ اے خدا! رخ پھیر دے اب گردشِ ایام کے
خلق کے راندے ہوئے دنیا کے ٹھکرائے ہوئے ۔۔۔ آئے ہیں اب تیرے در پر ہاتھ پھیلائے ہوئے
حق پرستوں کی اگر کی تو نے دل جوئی نہیں ۔۔۔ طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں
رحم کر اپنے نہ آئینِ کرم کو بھول جا ۔۔۔ ہم تجھے بھولے ہیں لیکن تو نہ ہم کو بھول جا
خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں ۔۔۔ جو بھی ہیں آقا تیرے محبوب کی امت سے ہیں

یہی ایک نسبت لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ پروردگار! اور کچھ نہیں، مگر تیرے محبوب کے غلام ہیں۔ کلمہ پڑھنے والے تیرے بندے ہیں۔ اللہ! میرے لیے یہی عزت کافی ہے کہ تو ہمارا پروردگار ہے۔ رب کریم! مہربانی فرمانا اور ہماری حاضری کو قبول کر لینا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے اور جو کچھ یہاں کہا گیا، سنا گیا قبول فرمالے۔ اور اس کے

بدلے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رحمتوں کے ساتھ واپس لوٹائے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ